

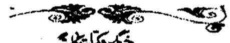
اکتوبر 2019
ماہنامہ
کرن

چاند نگر گروپ آف پبلیکیشنز

کرن

MEMBER
APNS
CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز



خط و کتابت کا پتہ
کرن
37- اردو بازار کراچی



بیاد محمود بابر فیصل



انٹرویو



ناول



مکمل ناول



ناولٹ



افسانے



کرن کتاب

مستقل سلسلے

اکتوبر 2019
جلد 42 شمارہ 7
قیمت 70 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com


آنچل
نئے افق
حجاب
حنا
سچی کہانیاں
سرگزشت
دوشیزہ
حکایت
عبقری
اُردو ڈائجسٹ
پانی
سسپنس
کرن
شعاع
پاکیزہ

مُدیرہ



دُنیا میں کوئی بھی انسان یہ دعوا نہیں کرسکتا کہ اس سے غلطی نہیں ہوئی۔ انسان غلطی کا پُتلا ہے۔ ہم سب سے کہیں نہ کہیں نہ چاہتے ہوئے بھی غلطیاں ہوجاتی ہیں زندگی میں کامیاب وہی ہوتے ہیں جو اپنی غلطی سے سیکھتے ہیں۔ اپنی غلطی کا اعتراف کرنا، اس پر نادم ہونا اور آئندہ اس غلطی کو نہ دُہرانے کا عزم کرنا بہترین عمل ہے۔ جبکہ اپنی غلطی پر اڑ جانے والے اسے درست ثابت کرنے کی کوشش کرتے والے ہمیشہ ناکام ٹھہرتے ہیں۔

غلطیاں انفرادی طور پر بھی ہوتی ہیں اور اجتماعی بھی۔ جو قومیں آج ترقی کی راہ پر گامزن ہیں، انہوں نے اپنی غلطیوں سے سیکھا، ان کا ادراک کیا اور انہیں سنوارنے کی کوشش کی۔

پاکستان اس وقت جس صورت حال سے دوچار ہے، ضروری ہے کہ ہم پیچھے دیکھنے کے بجائے آگے کی جانب بڑھیں۔ ماضی میں جو غلطیاں ہوچکی ہیں، اس سے سبق سیکھیں اور ملک کی ترقی کے لیے متحد ہوکر کوشش کریں۔ لیکن اس کے لیے ہمیں سب سے پہلے انا، ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر اپنی غلطیوں کو تسلیم کرکے ان کو سنوارنے کی کوشش کرنا ہوگی۔

محمود بابر فیصل (ذوالقرنین)

محمود بابر فیصل کو اس دُنیا سے رخصت ہوئے ایک طویل وقت گزر گیا لیکن آج بھی ان کی یادیں بہت سارے دلوں میں زندہ ہیں۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ ان کی حاضر جوابی، شگفتہ اور لطیف فقرے اور پُرمزاح شخصیت کبھی نہ بھلائی جاسکے گی۔ بابر صاحب کو دلوں کو موہ لینے کا فن آتا تھا۔ ذوالقرنین کے روپ میں ان کے قلم کی کہانیاں اور ناول میں ایک بالکل ہی جداگانہ رنگ ہے۔ ہر رنگ میں وہ قارئین میں بے حد مقبول اور پسندیدہ تھے۔

25۔ اکتوبر کو ان کی برسی کے موقع پر بہنوں سے دُعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

سانحہ ارتحال،

ہمارے دیرینہ ساتھی محترم صابر حسین صاحب اس دارِفانی کو الوداع کہہ گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

صابر صاحب بہت اچھے فنکار، بہت محنتی، فرض شناس کارکن تھے۔ ادارے کے ساتھ ان کی دیرینہ وابستگی تھی۔ ان کی وفات سے ادارہ ایک بہت اچھے فنکار سے محروم ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے۔ آمین۔

قارئین سے دُعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

نیا ناول،

رُخ چوہدری کا سلسلے وار ناول اختتام کو پہنچا۔ تو سرے سے آسیہ مرزا کا نیا سلسلے وار ناول شروع کیا جارہا ہے۔ آسیہ مرزا کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں۔ ان کی جادوئی تحریر کی روانی قارئین کو کبھی نہ ختم ہونے والے سحر میں جکڑ لیتی ہے۔ اس سے پہلے آسیہ مرزا کے ناول "دل اک شہر جنوں" اور "من موجی کی بات نہ مانو" ماہنامہ کرن میں شائع ہوچکے ہیں اور بے حد مقبول ہوئے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان کا نیا ناول ان کی دیگر تحریروں کی طرح پسند کیا جائے گا۔

اس شمارے میں،

- بیادِ محمود بابر فیصل، ، اداکار "سمیع خان" سے شاہین رشید کی ملاقات، ، اداکار فیضان شیخ "کہتے ہیں میری بھی سُنیے"،
- "آواز کی دُنیا" سے اس ماہ مہمان ہیں "احمد شیخ"، ، اس ماہ "صفیہ اسلم نیازی" کے مقابل ہے آئینہ"،
- شبِ غم کی سحر، رُخ چوہدری کے سلسلے وار ناول کی آخری قسط، ، نگہت عبداللہ کا سلسلے وار ناول،
- عطیہ خالد اور ام طیفور کے مکمل ناول، ، لائل رضا، ام ایمان قاضی اور منعم ملک کے ناولٹ،
- عمارہ خان، عندلیب زہرا، مادرا طلحہ، ماجرہ احمد اور ملیا سمون کے افسانے اور مستقل سلسلے، کرن کتاب۔ دلچسپ معلوماتی مضامین اور دیگر دلچسپ سلسلوں کے ساتھ،

حمد باری تعالیٰ

سب نام ہیں گم جس میں وہ ہے نام خدا کا
یہ کام ہے، وہ کام ہے، ہر کام خدا کا

مسجود کہیں غیر نہ معبود کہیں غیر
بندہ ہے ہر اک بندۂ اصنام خدا کا

آغاز اسی کا ہے ہر انجام اسی کا
آغاز خدا کا ہے نہ انجام خدا کا

ہر نام، حقیقت میں یہاں نامِ حق ہے
ہر رنگ میں پیغام ہے پیغام خدا کا

اللہ کے ناموں کا احاطہ نہیں ممکن
ہر چیز ہے یاں ایک نیا نام خدا کا

ہر آن کہ دل میں ہے امانت سخنِ حق
ہر چیز یہاں لائی ہے پیغام خدا کا

حضرت بابا ذہین شاہ تاجیؒ

نعت رسول مقبول ﷺ

منصب خضرؑ پہ ہوتا ہے وہ رہرو فائز
اپنی منزل جو ترا نقشِ کفِ پا سمجھے

کوئی ذی رتبہ ہی سرکار ﷺ کا رتبہ جانے
کوئی ذی شان ہی شانِ شہہِ بطحا سمجھے

آپ بالیں پہ جو ہیں تو جان آئی ہے
کیسے ناداں ہے اطبا کہ سنبھالا سمجھے

ان کی دہلیز پہ جھکنے کو عبادت جانا
ان کی دہلیز کے پتھر کو مصلیٰ سمجھے

میرا دامن ہے کہ اک اشکِ ندامت بھی نہیں
تیری رحمت ہے کہ قطرے کو بھی دریا سمجھے

پھر قصیدہ کوئی سرکار کا لکھے تابش
پہلے مفہوم تو لولاک لما کا سمجھے

تابش صمدانی

جب سے اس نے شہر کو چھوڑا

شازیہ مریم ملک



چھبیس برس بیت گئے یا چھبیس صدیاں۔ ان چھبیس برسوں میں ہر شمارے میں ان کا نام پڑھ کر دل بھر آیا۔ اک کسک سی اٹھتی ہے کہ کاش! میں بھی کبھی ان سے ملی ہوتی۔ لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ ہم زندگی میں جس شخص سے ملے ہوں، جس کو ذاتی طور پر جانتے ہو، صرف اسی سے محبت کریں، صرف اسی سے عقیدت رکھیں۔

میں بابر بھیا سے کبھی نہیں ملی۔ چھبیس برس پیشتر تو اتنا شعور بھی نہیں تھا، مگر میں پھر بھی ان کے "نہلے پہ دہلا" میں دیے گئے سوالوں کے جوابات بہت شوق سے پڑھا کرتی تھی اور پھر جیسے جیسے شعور کی منزلیں طے ہوئیں تو ادراک ہوا کہ یہ تو وہ شخص تھا جس کی نہ صرف ادارے کو بلکہ قارئین کو بھی سخت ضرورت تھی۔

ان کا غم دل میں لیے نہ جانے محمود ریاض صاحب نے اتنے برس حوصلے سے اپنے آپ کو سنبھالے رکھا ورنہ اولاد کا غم اور وہ بھی لائق اور احساس ذمہ داری رکھنے والے بیٹے کا نوجوانی میں بچھڑ جانا، بے حد تکلیف دہ ہے۔ جوان اولاد کی موت کا صدمہ جھیلنا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے بڑی صبر آزما آزمائش ہے اور ریاض صاحب نے یہ آزمائش دو دفعہ جھیلی۔ کیسے ریزہ ریزہ ہوگئے ہوں گے وہ، کتنی مشکل سے سنبھالا ہوگا انہوں نے اپنے آپ کو۔

اک نیا گھر بسا لیا تو نے
ہم سے دامن چھڑا لیا تو نے

ذوقی بھیا کے جوابات اتنے برجستہ ہوتے تھے کہ لبوں پر خود بخود مسکراہٹ آجاتی تھی۔ میرے دل میں یہ حسرت رہ گئی ہے کہ کاش! میں ان سے ملی ہوتی۔ بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے ان کے ساتھ کام کیا۔ کامیابیوں کے سفر میں ان کے ہمراہی رہے بلکہ میں تو ان کو بھی بہت خوش نصیب تصور کرتی ہوں جو بابر بھیا سے صرف ایک بار ملے۔ کم از کم وہ یہ کہہ تو سکتے ہیں کہ ان سے کی گئی گفتگو کی گونج آج بھی ہمارے کانوں میں ہے۔ مگر قلم اور قاری کا رشتہ بھی کچھ کم مضبوط نہیں ہوتا۔ کاش! ہم ان کے قلم سے اور زیادہ فیض یاب ہوتے۔

مجھے آج بھی یاد ہے کہ جب میں ساتویں جماعت میں تھی، تو ہماری ٹیچر مس شہناز ہمارا ٹیسٹ لینے کے لیے ہمیں سوال دے کر خود رسالہ کھول کر بیٹھ

سمیع خان سے ملاقات

شاہین رشید



شوبز میں ٹیلنٹ تو اہمیت رکھتا ہی ہے۔ مگر اس سے بھی زیادہ خوش شکل ہونا بہت ضروری ہے۔ لڑکیوں کے لیے ہیروئن لگنا اور لڑکوں کے لیے ہیرو لگنا بہت ضروری ہے، ٹیلنٹ تو بعد میں دیکھا جاتا ہے۔ پہلے تو شکل ہی دیکھی جاتی ہے۔ ہماری ڈرامہ انڈسٹری میں اب ماشاء اللہ کافی خوبرو نوجوان اپنی جگہ بنا کے اپنے آپ کو منوا چکے ہیں...... یہ انڈسٹری اور فلم انڈسٹری خوبرو ہیرو سمیع خان کے بغیر نامکمل لگتی ہے۔ آج آپ کی ان سے ملاقات کرواتے ہیں۔

☆ ''کیسے ہیں آپ؟''

♦ ''الحمدللہ۔''

☆ ''اب تو آپ فلم انڈسٹری اور ڈرامہ انڈسٹری کے منجھے ہوئے سینئر فنکار ہو گئے ہیں۔ یہ شہرت یہ عزت کیسی لگتی ہے؟''

♦ ''جی...... بالکل آپ نے ٹھیک کہا اور شہرت اور عزت کسے اچھی نہیں لگتی...... مجھے بھی بہت اچھی لگتی ہے رب کا بہت شکر گزار ہوں کہ اس نے یہ مقام دیا۔''

☆ ''سوچا تھا؟''

♦ ''شہرت کا تو ایسا کچھ نہیں سوچا تھا لیکن شوبز میں آنا میرا خواب تھا اور ظاہر ہے جو شوبز میں آتا ہے پھر اس کی اندر سے خواہش ہوتی ہے کہ لوگ مجھے پہچانیں، مجھے دیکھ کر اپنے ساتھی سے کہیں کہ اسے کہیں دیکھا ہے اور پھر بے ساختہ کہیں کہ یہ تو سمیع خان ہے یا مجھے دیکھ کر بے ساختہ کہیں ارے وہ دیکھو سمیع خان......''

☆ ''ہوں...... پھر یہ خواہش تو پوری ہو گئی، اب یہ پہچان ڈسٹرب تو نہیں کرتی؟''

♦ ''ارے نہیں...... کبھی فیملی کے ساتھ ہوتا ہوں تو تھوڑی مشکل پیش آتی ہے...... ورنہ تو کوئی مسئلہ نہیں...... لوگ پسند کرتے ہیں۔ پہچان لیتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ اچھا لگتا ہے، اپنے آپ پر فخر ہوتا ہے۔''

☆ ''لوگوں میں گھل مل جاتے ہیں؟''

♦ ''نہیں...... تھوڑا شرمیلا ہوں۔ جلدی گھلتا ملتا نہیں ہوں لوگوں سے۔ مجھے عجیب سا احساس ہوتا ہے جب کوئی بہت زیادہ تعریف کرے...... ہم بھی عام انسانوں کی طرح انسان ہیں۔ بس تھوڑی سی رعایت یہ ہے کہ ہم اسکرین پہ آتے ہیں اور پہچانے جاتے ہیں۔''

☆ ''کیا تنہائی پسند ہیں؟''

♦ ''جی...... جی بالکل سی سیلبریٹی بن کے رہنا

میری بھی سنئے

فیضان شیخ

شاہین رشید



1 ''میرا نام؟''
''فیضان شیخ۔''
2 ''پیار سے بلاتے ہیں؟''
''فیضی۔''
3 ''جنم لیا؟''
''5 دسمبر 1986ء اور کراچی میں جنم لیا۔''
4 ''بہن بھائی؟''
''ہم تین بھائی ہیں اور ہماری ایک ہی بہن ہے اور میں دوسرے نمبر کا ممبر ہوں...... مطلب بہن بھائیوں میں میرا نمبر دوسرا ہے۔ مگر نمبر 2 نہیں ہوں، سچا اور کھرا انسان ہوں۔''
5 ''تعلیمی میدان؟''
''گریجویٹ ہوں۔ میڈیا سائنس میں۔''
6 ''شادی؟''
''نکاح یافتہ ہوں...... مطلب رخصتی بھی جلدی کرالوں گا۔''
7 ''ایک بڑا نام جو میرے ساتھ وابستہ ہے؟''
''میری ماں ''پروین اکبر'' بھلا کون نہیں جانتا انہیں ایک بڑا اور قابل فخر نام۔ اللہ میری ماں کو سلامت رکھے۔''
8 ''فیلڈ میں آنا آسان تھا؟''
''نہیں...... اپنی محنت اور لگن اور تعلیم سے آیا ہوں اور جو اپنی محنت اور ٹیلنٹ سے آتے ہیں وہ ہی کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ دوران تعلیم اس لیے نہیں آیا کہ پھر کہیں رزلٹ خراب نہ آئے اور گھر میں کسی کو اعتراض کا موقع بھی نہ ملے۔''

احمد شیخ

شاہین رشید



''آواز کی دنیا سے'' ہمارے کرن ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ ہے۔ ریڈیو اور آواز سے متعلقہ دیگر جگہوں پر نوجوان لڑکے لڑکیاں اپنی خدمات انجام دیتے ہیں اور نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ گھر والوں کو بھی سپورٹ کرتے ہیں۔ مائیک کے آگے بولنا اور اس انداز میں بولنا جیسے کسی سامنے بیٹھے ہوئے سے مخاطب ہیں۔ بڑے کمال کی بات ہے۔ کیمرے کے آگے پرفارم کرنا اور مائیک کے آگے بولنا۔ میری نظر میں یہ لوگ بہت باصلاحیت ہوتے ہیں تو جناب آج ہمارے مہمان ''احمد شیخ'' ہیں جن کا تعلق FM-94 فیصل آباد سے ہے اور یہ مزید کیا کرتے ہیں یہ ان سے بات چیت کر کے ہی معلوم ہو گیا۔

☆ ''کیسے مزاج ہیں؟''

◈ ''اللہ کا شکر ہے۔''

☆ ''چلیں جی...... پہلے اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بتایئے؟''

◈ ''میں 19 جنوری 1988ء کو پیدا ہوا، مادری زبان پنجابی ہے۔ شادی ابھی نہیں ہوئی ہماری فیملی شیخ ہے اور شیخ میں بھی کافی ''سب کاسٹ'' ہوتی ہیں۔ تو میں ''چنیوٹی شیخ'' ہوں۔ میرے والدین کا تعلق چنیوٹ سے ہے اور میری پیدائش سے چند سال پہلے فیصل آباد شفٹ ہو گئے تھے۔ میرے والد اپنا بزنس کرتے تھے مگر کافی مسائل کی وجہ سے اس بزنس کو بند کرنا پڑا، میری والدہ ہاؤس وائف ہیں...... اور ہم ماشاء اللہ سے چار بھائی ہیں اور میں سب سے بڑا ہوں۔''

☆ ''شیخ تو بہت پیسے والے ہوتے ہیں۔ عموماً سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوتے ہیں...... آپ بھی انہی میں شامل ہیں؟''

◈ ''جی...... شیخ لوگ بہت امیر ہوتے ہیں۔ مگر ہم لوگ ایسے نہیں ہیں۔ میں ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہوں اور میں ایک سیلف میڈ انسان ہوں اور اپنی محنت سے اور اپنے ٹیلنٹ سے ہی آگے بڑھا ہوں۔ مجھے کسی کی سپورٹ حاصل نہیں رہی ہے۔ نویں جماعت میں تھا تو ٹیوشن پڑھانے لگ گیا تھا۔''

☆ ''اچھا...... تو پھر کس طرح اس فیلڈ میں آئے؟''

◈ ''میں جب نویں کلاس میں تھا تو مجھے ریڈیو سننا اچھا لگتا تھا...... اور اس زمانے میں سوشل میڈیا تو نہ ہونے کے برابر تھا۔ تو لوگ یا تو ٹی وی دیکھا کرتے تھے اور یا پھر ریڈیو سنا کرتے تھے...... جب لائٹ نہیں ہوتی تو ہم لوگ ریڈیو آن کر لیا کرتے تھے اور مجھے رات کو سونے سے پہلے ریڈیو سننا اچھا لگتا تھا اور

مقابل ہے آئینہ

حفصہ اسلم نیازی

ادارہ

☆ ''آپ کا اصلی نام اور پیار کا نام کیا ہے؟''

◆ ''اصلی نام حفصہ اسلم نیازی ہے۔ ماما کو نام بگاڑنا پسند نہیں اس لیے کوئی پیار کا نام نہیں۔''

☆ ''آئینہ آپ سے کیا کہتا ہے؟''

◆ ''کبھی کہتا ہے پیاری لگ رہی ہو کبھی کہتا ہے گزارا ہے اور کبھی کہتا ہے منہ تو دھو لو بی بی۔ ہاہاہا''

☆ ''حسین صورتیں دیکھ کے دل میں کیا خیال آتا ہے؟''

◆ ''خیال آتا ہے کہ بات کر کے دیکھوں یا بس دیکھتی رہوں۔ ہاہاہا۔''

☆ ''اگر آپ کے پرس کی تلاشی لی جائے تو؟''

◆ ''پرس میں رکھتی نہیں ہوں۔ البتہ کالج بیگ سے کتابوں، ٹیسٹیفٹی پنز، کالج کارڈ اور مایوسی کے سوا کچھ نہ ملے گا۔''

☆ ''بھوتوں سے ڈرتی ہیں؟''

◆ ''جو چیز دیکھی نہیں اس سے ڈر کیسا۔ البتہ بھوت میرے سامنے آجائے تو اس کا پتا نہیں (آہم)۔''

☆ ''مہمان کیسے اچھے لگتے ہیں؟''

◆ ''وہ مہمان جو پلیٹوں میں چیزیں چھوڑ جاتے ہیں۔ ہاہاہا سارا سال وہی چیزیں کھاتے ہیں مگر مہمان والی بہت مزے دار لگتی ہیں ہاہاہا۔''

☆ ''کھانے میں کیا پسند ہے؟''

◆ ''مجھے صرف کھانا اور بیٹھ کے کھانا پسند ہے۔ (مطلب پکانا نہیں) مگر پکانا ہی پڑتا ہے۔''

☆ ''پسندیدہ شاعر؟''

◆ ''علامہ اقبال، احمد فراز، مرزا غالب، منیر نیازی، پروین شاکر وغیرہ وغیرہ۔''

☆ ''مزاجاً لڑاکا ہیں؟''

◆ ''بالکل بھی نہیں نہ غصہ آتا ہے نہ لڑائی کرتی ہوں کئی دفعہ چھوٹے بھائیوں پہ اٹھا ہاتھ خدا کی رضا کے لیے واپس کر لیتی ہوں۔''

☆ ''کس مزاج کے لوگ پسند ہیں؟''

◆ ''بہت ہنسنے، بہت بولنے اور سیاست پہ بات کرنے والے لوگ۔''

☆ ''اگر لوڈ شیڈنگ نہ ہوتی تو......؟''

◆ ''سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارے شہر میں زیرو لوڈ شیڈنگ ہے۔ گل ہی مک گئی۔''

☆ ''اگر آپ کو حکومت مل جائے تو؟''

◆ ''ملنے تو دیں ذرا مجھے حکومت، سب دیکھ لیں گے میں کیا کروں گی۔ آہم۔''

☆ ''اللہ کو یاد کرنے کا بہترین وقت؟''

◆ ''ہر وقت بہترین ہے اس خالق و مالک کو یاد کرنے کا۔ جب آپ برے خواب سے جاگیں، جب آپ بہت دکھی ہوں جب بہت خوش ہوں۔''

☆ ''آپ کفایت شعار ہیں یا فضول خرچ؟''

◆ ''پیسے ملنے کا سن کے پہلا خیال یہی آتا ہے کے خرچ کہاں کرنے ہیں تو آپ سمجھ گئے ہوں گے۔''

☆ ''ستاروں پہ یقین رکھتی ہیں؟''

◆ ''بس پڑھتی ہوں یقین نہیں ہے مجھے۔''

☆ ''کیا نام شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے؟''

نگہت عبداللہ

ہوائیں رخ بدل گئیں

حیدر علی اور احمد علی دو بھائی تھے۔ حیدر علی بڑے تھے، چھوٹے بھائی احمد علی کے لیے وہ مشفق باپ تھے۔ احمد علی کا انتقال ہو چکا تھا اور حیدر علی جس حد تک ممکن ہوتا، بھاوج اور بچوں کی مدد کرتے ہیں۔

حیدر علی کو ان کے مزاج کے برعکس بیوی ملی تھیں۔ وہ جتنے نرم خو تھے، حمیدہ بیگم اسی قدر تیز وطرار اور کسی حد تک بدزبان بھی۔ احمد علی کی بیوی فاخرہ ان ہی کی طرح نرم مزاج اور درگزر کرنے والی تھیں۔

حیدر علی کی تین بیٹیاں سبینہ، خزینہ اور شہرینہ تھیں جبکہ احمد علی کے دو بچے حمزہ اور بیلا تھے۔

سبینہ کی شادی ہو چکی ہے۔ خزینہ اپنے باس تیمور غزنی کو پسند کرتی ہے جبکہ خزینہ کا خالہ زاد شرجیل اس کو چاہتا ہے۔

حمزہ اور شہرینہ کا رشتہ، حیدر علی نے حمیدہ بیگم کی مرضی کے خلاف بھائی کی زندگی ہی میں ان کی کم عمری ہی میں کر دیا تھا جو وقت کے ساتھ ان کے دلوں میں بھی مضبوط ہو چکا ہے۔

حیدر صاحب کا آفس میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہو جاتا ہے۔ حمزہ کو جاب مل جاتی ہے لیکن اس کے باس حسان صاحب کی بیٹی ربیکا اس کو پسند کرنے لگتی ہے جو وقتاً فوقتاً حمزہ کو اپنی باتوں سے پریشان کرتی ہے۔

تیمور غزنی اور سارہ کی کوئی اولاد نہیں ہے، سارہ مس کیرج ہونے کی وجہ سے اب کبھی ماں نہیں بن سکتی۔ سارہ، تیمور سے اپنی دوست زوبی کا بے بی لینے کا کہتی ہے لیکن تیمور اس بات پر دل سے رضامند نہیں ہے۔



عندلیب زہرا



جگنو اپنے خاندان سے سخت کبیدہ خاطر رہتی۔

ہر بندہ دوسرے سے ناراض، ہر فرد شکوہ کناں اور ناراضیاں، تلخیاں اتنی طویل ہوتیں کہ زندگی ختم ہو جاتی ناراضیاں ختم نہ ہوتیں۔ ہاں جب کسی رشتے دار کی وفات کی خبر سننے کو ملتی تو سب روتے دھوتے اور پیش پیش وہ ہوتے جو زندگی بھر مرحوم کا نام سننے کے روادار تک نہ تھے۔ جگنو دل ہی دل میں اس فعل کو ''مردہ پرستی'' کہتی۔

بھئی جو شخص ہر اچھے برے رویے سے بے نیاز ہوگیا۔ اس کے لیے ہمارے آنسو کیا معنی رکھتے ہیں بھلا؟

آنسوؤں کے بیچ میں حماقتوں کا ذکر ہوتا (پُرنم مسکراہٹ کے ساتھ) چن چن کر گمشدہ قصے دہرائے جاتے اور کہیں بھی اس تلخی کا شائبہ نہ ہوتا جس کی وجہ سے زندگی کا اتنا اچھا وقت گلے شکوؤں میں ضائع ہو چکا تھا۔ ایسے موقعوں پر جگنو ہمیشہ سر جھٹک کر رہ جاتی۔

نانا سردیوں میں ہمیشہ گرم چادر اوڑھتے، اس کو دھوپ لگواتے، نرمی سے ہاتھ پھیرتے جیسے کوئی لمس ڈھونڈ رہے ہوں اور اکثر اسے لپیٹ کر یادوں میں کھو سے جاتے تھے۔ نانو بتاتیں کہ یہ ان کے مرحوم بھائی کی ہے۔ جس سے لین دین پر جھگڑا ہوا۔ اتنا بڑھا کہ مرتے دم تک دونوں بھائی نہ مل پائے۔ نانا نے چھوٹے بھائی کی کینسر کی خبر سنی، اسے ڈھکوسلہ سمجھا۔ بیمار بھائی بلاتا رہا۔ یہ ناراضی کا پیرہن اوڑھے بیٹھے رہے، وفات کی خبر سنی تو گویا سکتہ ہو گیا۔ خوب روئے دھوئے، پھر کچھ نہ سوجھا تو بھائی کی گرم شال ساتھ لے آئے۔ اسے اوڑھتے، دھوپ لگواتے سینت سینت کر رکھتے۔

''کاش، رشتے بھی اسی حفاظت کے ساتھ رکھے جاسکتے۔ دھوپ لگا کر، قہقہہ لگا کر۔'' جگنو اکثر سوچتی۔

صاف گو جگنو نے ایک دن اپنے دل کی بات کو عنوان دے ہی دیا۔

''نانا! بہتر نہیں ہے کہ ہم جھوٹی انا پر پیر رکھ کر رشتے بچالیں۔'' نانا افسردگی سے سامنے دیکھتے رہے اور پھر آہستگی سے گویا ہوئے۔

''یہ انا بہت ظالم چیز ہے بیٹا...... انسان کو خاکستر کر دیتی ہے اور رشتے فنا کر دیتی ہے...... اپنے قیدیوں کو رشتوں کی موت سے پہلے رہائی نہیں دیتی۔'' نانا کے لہجے میں پچھتاوے بول رہے۔ دکھ تھا۔ جگنو انہیں شرمندہ کرنا چاہتی تھی۔ ان کی کٹھور دلی پر، چیزوں سے پیار پر، لیکن نانا کا افسردہ لہجہ اسے بھی اداس کر گیا۔

اپنے گھر میں دیکھتی کہ پپا کے سیدھے ہاتھ کی انگلی میں فیروزہ کی خوب صورت ڈیزائن والی انگوٹھی تھی جسے کبھی خود سے جدا نہ کرتے۔

مما بتاتی تھیں کہ یہ رفو پھپھو کی تھی وہ سب سے چھوٹی اور لاڈلی تھیں۔ بالخصوص پپا کی۔ دھوم دھام سے شادی ہوئی۔ شادی کے چند برس کے بعد انہوں نے جائیداد میں سے اپنا شرعی حصہ طلب کیا۔

بھائی...... بھائی چیخ اٹھے۔ صرف دادی تھیں جو نین برسات آنکھوں سے آنے والے حالات دیکھ رہی تھیں۔

جگنو کو یاد تھا کہ کیسے پپا، چاچو، مما اور چاچی نے

ناولٹ

ام ایمان قاضی

دادا، پوتی اور وہ



ام طیفور

ساگر کنارے

بارہویں قسط

وہ سب انتہائی حیرت سے ہیرے کو دیکھ رہے تھے۔ بے یقینی اور خوف سب کے چہروں پر غازہ بن کر چھایا تھا۔ ماحور نے دونوں ہاتھوں کو اپنے منہ پر رکھ کر چیخ کا گلا گھونٹا تھا۔ زلیخا دادی نے دوہتھڑ سینے پر مار کر دہائی دی۔

''تیرا بیڑا غرق ہو جائے عقیل۔''

اپنا لہو چاٹتا ہیرا، بپھرتے ہوئے سالک پاشا سے مخاطب ہوا۔

''مجھے مارنے سے پہلے پوچھو اس نشئی سے۔ اس نے کتنا بڑا جوا کھیلا تھا۔ اپنا مکان ہارا تھا اس



نے۔ جب مکان کے کاغذات مانگے تو آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ بولا کھو گئے۔ مار پیٹ سے بچنے کے لیے اس نے خود مجھے پیشکش کی کہ میں اپنی بیٹی دے دیتا ہوں تجھے۔ نکاح کر لے اس سے۔ اب بولو کہ میں کہاں غلط ہوں۔ مکان نہیں دے گا تو لڑکی تو میں لے کر جاؤں گا۔'' ہیرا ایسے اکڑ کر بولا جیسے واقعی نیک کام کرنے آیا تھا۔

سیف نے بے بسی سے دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں میں سر کے بالوں کو بھینچ لیا۔ شرمندگی سی شرمندگی تھی جوان سب بہن بھائیوں کو عقیل مغل کی وجہ سے اٹھانی پڑ رہی تھی۔

عاقب بھائی نے ریان اور سیف پر مسلسل نگاہ رکھی ہوئی تھی تاکہ طیش میں آ کر ہیرے پر پل نہ پڑیں۔ یہ معاملہ واقعی حکمت عملی سے حل کرنے والا تھا۔ ناعمہ پاشا کے چہرے پر بلا کی نفرت ہلکورے لے رہی تھی۔ وہ خون آشام نگاہوں سے عقیل مغل کو دیکھ رہی تھیں۔

سالک پاشا نے چند پل لیے تھے ہیرے کی اوقات اور حیثیت جانچنے میں۔ اس کے بعد اس نے اپنا کوٹ اتار کر ناعمہ پاشا کو پکڑایا اور بٹن کھول کر کف فولڈ کرتا ہوا آگے بڑھا۔

''نہ یہ مکان تمہیں ملے گا نہ اس لڑکی پر اپنی غلیظ نگاہ ڈالنا......'' ایک جھٹکے سے ہیرے کا گریبان کھینچ کر غراتے ہوئے کہا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے جی...... مکان ہارا ہے یہ

ماورا طلحہ

کٹھ پتلی

دور افق پہ شمس کی نارنجی شعاعیں رات کی تاریکی کا دم گھونٹ رہی تھیں۔ رات نے آخری ہچکی لی اور سحر میں ضم ہوگئی۔ دھیمی سی سنہری کرن نے دروازے کے سوراخ سے گزرتے ہوئے اس کی بند آنکھوں پہ دستک دی تو وہ مستعدی سے اٹھ بیٹھی، ہراساں نظروں سے پہلو میں دیکھا تو ذہن کے کواڑوں پہ تلخ حقیقت نے دستک دی تھی۔

اس نے چپکے سے بنا کسی آہٹ کے بستر چھوڑ دیا۔ حجلہ عروسی کو سجاتی چمچماتی لڑیاں اسے زہریلے ناگ سی لگ رہی تھیں۔ اپنے بکھرے وجود کو سمیٹتی وہ دروازے تک آئی، دل کی مرتعش دھڑکنوں کو معتدل کرتے ہوئے چٹخنی گرادی۔ دروازے کا پٹ کھلا تو کرنیں اس کی اجازت کے بنا اندھیرے کمرے پہ قابض ہوگئیں۔

دروازہ کھلنے کی آواز چھوٹے صحن میں بھرپور گونجی اور پل کے لیے ہر فرد ساکت ہوا تھا۔ سارے کام کرتے ہاتھ تھم گئے اور ہر نگاہ کا مرکز وہ ٹھہری تھی۔ اس نے کبھی ایک وقت میں اتنی سوال کرتی اور چبھتی آنکھیں نہیں دیکھی تھیں اور ستم یہ کہ گزری رات اسے ان سوالات کے جواب بھی نہیں دے پائی تھی۔

وہ نور مستری کی نوبیاہتا دلہن تھی۔ اس کے شوہر کے ہاتھ کا ہنر ہر آنکھ کو خیرہ کرتا تھا، نور مستری کے ہاتھ کے کمالات حجلہ عروسی میں پہنچنے تک اثر کی سماعت میں انڈیلے جاتے رہے تھے اور وہ بن دیکھے ایمان لاتی گئی کیونکہ تین بول بھری محفل میں لبوں سے آزاد کرنے کے بعد یہ اس پہ فرض تھا۔

اس کی مستقل خاموشی نے صحن میں موجود ہر نفس کی آنکھوں میں سوال کی جگہ الجھن بھر دی تھی۔

''مجھے تیرے چہرے پہ وہ فخر نظر نہیں آرہا جو میرے سوگن رکھنے والے بیٹے کی دلہن بن کر تیرے چہرے پہ چھلکنا چاہیے؟'' نور مستری کی ماں نے اسے دروازے سے دو قدم کے فاصلے پہ آلیا تھا۔

''میرے چہرے کا دایاں رخ آپ کے بیٹے کے ہنر کا گواہ ہے، گزری رات مجھ پہ یہ بات افشا کر گئی ہے کہ پتھروں کا ماہر ہاتھ، دل ختی کے جذبات تک پتھر رکھتا ہے۔'' قلب کی آواز حلق میں دم توڑ گئی اور وہ ضبط کو آزماتے ہوئے مسکرادی۔

گندم کے سنہرے خوشے جیسا رنگ اسے بہت سوں سے ممتاز کرتا تھا اور یہی خاصیت نور مستری کی ماں کو بھا گئی۔ کئی مہینوں سے چاندی بہو کی تلاش اس کے آنگن میں تمام ہوئی اور چند دن میں اس کی ذات نور مستری سے منسوب کردی گئی تھی۔ نور مستری کی چھ بہنیں ہر چکر میں اس کے چہرے پہ چھ ہی مصنوعی تل داغ دیتی تھیں کہ سنہری رنگت کملا نہ جائے۔ ساری ہم جولیاں نازو کی قسمت پہ رشک کرتے نہ تھکتی تھیں۔

وہ چھوٹے سے دل میں ڈھیروں خوف اور ارمان سجائے محل بنانے والے نور مستری کے کچے آنگن میں اتری تھی۔ آتشی عروسی لباس اس کی سنہری رنگت پہ دمک رہا تھا۔ نور مستری کی دلہن دیکھنے اک زمانہ آیا اور ہر آنے والے نے فلک پہ چمکتے قمر سے نازو کا موازنہ کیا اور زمینی چاند کو داد دینے کے لیے فلکی چاند بھی مسکرایا تھا۔

وہ کئی لمحے دھڑکن کو اپنی سماعتوں میں محسوس کرتی رہی، رنگ برنگی لڑیاں انگلیوں پہ اس خیال سے لپیٹتی رہی کہ یوں ہی وہ نور مستری کے گرد اپنی

ایمل رضا

شامِ رنگِ سیاہ

پچھلی اقساط کا خلاصہ

سبین کا تعلق ایک متوسط گھرانے سے ہے۔ سبین کا باپ قطب الدین چونے کا کام کرتا ہے اور ماں چکی چلاتی ہے۔ سبین کو ان دونوں کاموں سے کو سخت چڑ ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ اگر بابا زندگی بھر اسی کام سے نہ جڑے رہتے تو ان کی زندگی بھی آسائشوں سے پر ہو سکتی تھی۔ وہ آتے جاتے بابا اور اماں پر بولتی ہے۔ چونے کی گرد اور خوشبو سے اسے نفرت ہے۔ جبکہ بابا کے لیے یہ فن اس قدر مقدس ہے کہ وہ چونے کو الماس برادہ کہتے ہیں۔ اماں اس کی ناراضی کے ڈر سے کھانا روٹی ساتھ والوں کے گھر جا کر بناتی ہیں۔ اماں ابا دونوں مل اسے خوش رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن گھر کے مسائل، ادھوری خواہشات، نامکمل آرزوئیں، چھوٹی بہن زویا کی خراب دماغی حالت، ماں کی بیماری، بابا کی کمزوری...... یہ سب سبین کو دن بدن چڑ چڑا بناتے رہتے ہیں۔

پھر ایک روز ماں کا انتقال ہو جاتا ہے اور ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے سبین ناپسندیدگی کے باوجود اپنے چچازاد رشید سے نکاح کر لیتی ہے۔ جبکہ اس کے دل میں میران ہے۔ (جس سے سبین کی بس ایک بار ملاقات ہوئی ہے۔)۔ ماں کے انتقال کے بعد سبین کے لیے زندگی اور مشکل تر ثابت ہوتی ہے۔ رخصتی سے چند روز پہلے تائی رشید کے نام گھر لگانے کا مطالبہ کرتی ہیں۔ لیکن گھر پہلے سے ہی بک چکا ہے جس کا کسی کو علم نہیں۔ تائی کو یہ بات مہندی والے دن پتا چلتی ہے اور وہ اسی وقت رشید کے منہ سے سبین کو طلاق دلوا دیتی ہیں۔ سبین جل کر کوئلہ ہو جاتی ہے۔ ساری رات رونے کے بعد وہ اپنی زندگی کو بدل لینے کا فیصلہ کرتی ہے۔ وہ فیصلہ کر لیتی ہے کہ اس نے چونے کے برادے کو الماس (ہیرے) میں کیسے بدل کر رہنا ہے۔



حاجرہ احمد

اسٹیٹس

''چٹھی نہ کوئی سندیس...... جانے وہ کون سا دیس...... جہاں تم چلے گئے۔''

''مائرہ! حمزہ کا اسٹیٹس چیک کیا ہے تم نے؟''
لاؤنج میں چند ایک مہمانوں کے درمیان بیٹھی نگین نے



مکمل ناول

عطیہ خالد

ہم اکیلا

سرخ لکڑی کا نوک دار اونچا ٹوپا پہنے، شیشے کی دیواروں سے سجا ہٹ، سبزے کے درمیان کسی خوبصورت شرارتی بچے کی مانند کھڑا تھا جس کو سزا کے طور پر اکیلا کھڑا کیا گیا ہو۔ میں چاروں طرف سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

کمروں کے سامنے چھوٹا سا لاؤنج اور کچن تھا۔ شیشے کی گول دیواریں، داخلی دروازہ سب شیشے کا تھا۔ بھاری سیاہ مخمل کے چمکتے ہوئے پردے، سفید ریشمی ڈوریوں سے بندھے ہوئے تھے یعنی دن کے وقت بھی رات اتارنے کا مکمل سامان تھا۔ سڑک سے دائیں طرف دور تک گندم کے کھیت تھے۔ سنہری چمکدار بالیاں دھوپ میں مزید سنہری دکھ رہی تھیں۔ بھٹے ابھی سر سبز دوشالوں میں لپٹے اپنے سنہرے بالوں میں منہ چھپائے ہوئے تھے۔

میں سفید نرم صوفے میں دھنسا پال کے دیے ہوئے تازہ چاکلیٹ موس اور کافی کا مزا لے رہا تھا۔ دھوپ تیز ہوئی تو میں باہر نکل آیا۔ آلو بخارے کے باغ اور ہٹ کی نگرانی پال اور اس کی بیوی کی ذمہ داری تھی جو وہ بخوبی ادا کر رہے تھے۔

''بہت شکریہ پال!'' میں نے ایک نوٹ اس کے بچے کے کاٹ میں پڑے تکیے کے نیچے دبایا پھر سنہری آنکھوں والے بچے کے سرخ رخسار کو چوم لیا اور سونے کے تاروں کی طرح چمکتے ہوئے اس کے بالوں کو سہلایا۔ بچے نے میری پسندیدگی اور ستائش کو بھانپ کر غوں غاں کیا اور تیزی سے ہاتھ پاؤں چلائے۔

''تو دھوپ کا مزا لیا جا رہا ہے۔'' میں نے اشقر کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''جی سر۔'' پال بولا۔

''اچھا، پھر ملیں گے۔ خدا حافظ۔''

میں نے اشقر کو ایڑ لگائی اور وہ جلد ہی ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ ساری دوپہر ہم نے کسانوں سے ملتے اور کھیتوں اور باغوں کا جائزہ لیتے ہوئے سر سبز مرغزاروں میں بھاگتے ہوئے گزار دی۔ انجیر اور خوبانی کے باغ پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ محنت رنگ لا رہی تھی۔ میں نے مسکرا کر اپنی محنت کی لذت سے آشنا ہوتے ہوئے اپنے سانولے کھردرے ہاتھوں کو دیکھا۔ میں کتنا بدل گیا تھا۔

کیا کبھی پاکستان میں رہتے ہوئے میں اتنی محنت کا عادی ہو سکتا تھا۔ یہاں میں نوکری کے ساتھ ساتھ راس کے کھیتوں اور باغوں میں بھی کام کرتا۔ گھوڑوں کی نگرانی کرتا، فارم ہاؤس کا جائزہ لیتا، میں سچ مچ اتنا مصروف تھا کہ سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں تھی میرے پاس۔ خود پر غور کرتے کرتے سہ پہر کے قریب قریب میں اشقر کے ساتھ اپنے پسندیدہ ترین راستے پر پہنچ چکا تھا۔

گندم اور مکئی کے کھیتوں کے بیچ ایک پتلی سی سرمئی سڑک بچھی تھی۔ جس کے دونوں طرف صنوبر اور شاہ بلوط کے بے حد اونچے اور گھنے

عمارہ خان

بس اتنی سی بات



رخ چوہدری

شب غم کی سحر

''سلیم منزل'' کے اکلوتے چشم و چراغ سلیم الدین کی والدہ حمیدہ خاتون ان کی شادی اپنی برادری میں کرنا چاہتی ہیں لیکن سلیم الدین کو اپنے والد کے دوست ملک غیاث کی بہن شگفتہ پسند آ جاتی ہیں۔ لیکن حمیدہ خاتون دل سے اپنی تعلیم یافتہ بہو شگفتہ بیگم کو قبول نہیں کرتیں۔

ظہیر احمد ایک سرکاری افسر ہیں مزاجاً انتہائی بدمزاج، اکھڑ۔ ظہیر احمد کے اور رقیہ کے دو بیٹے، دو بیٹیاں ہیں۔ اسماء، ثمینہ، شکیل اور جمیل۔ ظہیر احمد کے بڑے بھائی کبیر احمد کے دو بیٹے عابد اور ساجد جن کی شادیاں اسماء اور ثمینہ سے ہوئی ہیں اور تین بیٹیاں جن میں دو شکیل اور جمیل کی بیویاں ہیں اور ایک کسی کزن بھانجے کے ساتھ بیاہی جاتی ہے۔

پھر موسم آتے جاتے رہے، رتیں بدلنے لگیں۔ سلیم منزل میں ابا جان، اماں جان رخصت ہو چکے تھے البتہ آنگن پھولوں اور کلیوں سے مہک اٹھا تھا۔ زبیر اور شہلا گھر چھوڑ کر جا چکے تھے۔ ان کے بارے میں کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہیں۔ وسیم، کلیم اور غفیر کے بیٹے بیٹیاں، شگفتہ بیگم اور سلیم میاں کو دادا جان اور دادی جان کہہ کر لپٹا کرتے۔ منیزہ کے بچے نانا جان اور نانی جان کہتے۔

غفیر اور گلشن کا ایک بیٹا سفیر اور چار بیٹیاں شفق، مہک، عاتکہ اور صبا تھیں۔ وسیم کی دو بیٹیاں عائزہ اور فائزہ اور تین بیٹے روحیل، فیصل اور جمیل تھے جبکہ کلیم اور نفیسہ کے دو بیٹے ہارون، شمعون اور بیٹیاں ثناء اور زیب تھیں۔ منیزہ کی دو بیٹیاں شانی اور تابندہ تھیں اور ایک بیٹا غزین تھا۔

ساجد نے ثمینہ کی اجازت سے منیبہ سے دوسری شادی کر لی تھی لیکن گھر والے اس شادی سے لاعلم تھے۔ ساجد کی ثمینہ سے تین بیٹیاں سارہ، زارا اور عمارہ تھیں اور منیبہ سے تین بیٹے ارمغان، داؤد اور زین تھی۔ ساجد کے بیٹے اپنے باپ سے ناراض رہتے ہیں کیونکہ انہیں اپنے دادا کے گھر میں پہچان اور رشتے چاہئیں۔ خاص کر کے ارمغان باپ کو بہت ناپسند کرتا ہے۔

اُنتیسویں اور آخری قسط



منعم ملک

کچھو میں آگئی

مجھ سے ملیے... میں ہوں مریم حبیب عرف مومی... خاندان بھر کی سگھڑ، نفیس، خوش اخلاق اور نفاست پسند لڑکی... دو بھائیوں کی بہن ہوں۔ اکلوتی ضرور کہلاتی اگر ندا میرا حصہ تقسیم کرنے، جی جلانے، میرا پیچھا کرتی اس گھر تک نہ آ پہنچتی۔ میں گھر والوں سے مختلف ہوں اور گھر والے مجھ سے... سٹپٹایئے نہیں میں انہی جیسی انسان ہوں، بس کچھ معاملوں میں تھوڑی الگ ہوں۔

میری زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ... نہ صفائی کرنا، نہ کھانا بنانا، نہ کپڑے دھونا، استری تو یوں بھی میرا سر درد نہیں۔ دردِ سر ہے تو صرف صفائی... الماری سے جھانکتی کتابوں کی... میرے گھر والے شدید ''ادبی ادبی'' واقع ہوئے ہیں اور اللہ معاف کرے تمام کے تمام...!!

ان کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دیں جس کے بدلے انہیں اجازت دی جائے ''جائیں دنیا بھر سے جتنی کتابیں سمیٹ سکتے ہیں سمیٹ لائیں'' اور وہ اس کے لیے اتنے تیار گویا اللہ دے تو بندہ لے۔

میں تو پل پل دعا کرتی ہوں ''اللہ نہ دے نہ دے''۔ بھئی ایسے کارناموں کی سعادت اور کیا... آفت تو میری جان کو پڑنی ہے۔ میرے کمرے کو روزِ اول سے لائبریری کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ وہاں لکڑی کی ایک بڑی سی الماری کھڑی ہے اور کتابوں سے بھری ہے۔

ابو جان کے ''عمران سیریز، سفر نامے، مضامین''

امی جان اردو ادب کی دلدادہ اور ہر ماہ آتے سات آٹھ ماہنامے۔

ندا کے ناولز کی موٹی موٹی جلدیں۔

بڑے بھائی کے ''جاسوسی ناولز'' چھوٹے کا انگریزی ادب اور پوئٹری بکس۔ غرض نثر کی ہر اصناف۔

مجھے ہر ماہ دو دفعہ صفائی کرنی پڑتی ہے پھر بھی گرد کا جیسے پھپھو کا گھر ہے وہاں.... پہلے کتابیں نکالو، نکال نکال کر جھاڑو، کورز ٹھیک کرو، پھر سے ان کو ترتیب دو۔ مہینے کے جس روز میری ڈیوٹی ہوتی ہے میں ہزار بیمار ہونے کے جتن کرلوں پر سچ ہے کہ کبھی اس دن بیمار نہیں ہوتی۔

آپ حیران ہیں؟ مجھے افسوس نہیں ہے کیونکہ میرے گھر والے بھی حیران ہی تو ہیں۔ لیکن میں مجبور ہوں، میرے ہاتھ ٹوٹتے ہیں، کندھے تھکن سے چور گرنے والے ہوتے ہیں، دل خراب ہو کر باہر نکلنے کو بے تاب اور سائیں سائیں کرتا سر.... میں اس کام سے بے حد الرجک ہوں۔ بے زار ترین.... لیکن سب کی آئیں بائیں شائیں.... دل چاہتا ہے یہاں سے غائب ہو جاؤں مگر چاہنے سے کچھ ہوتا تو سب سے پہلے وہ جان کی دشمن (الماری) نہ دفان ہوتی؟

میں کتابیں نہیں پڑھتی... سر پھٹنے لگتا ہے۔ قوی یقین ہے پورا ناول پڑھوں گی تو بیمار پڑوں گی... پر وہی تو نہیں پڑتی۔ صفائی شروع کرتے وقت تنبیہہ ملاحظہ کریں۔

ندا: (ہاتھ میں بار بار پٹختا کفگیر) ''میرے ناول ادھر ادھر ہوئے یا کہیں کوئی خراش آئی تو یاد رکھنا....

امی: ''پیار سے ... ورنہ۔'' (نظر ملتے ہوئے

حرا شفیق، کی ڈائری میں تحریر

نبیل احمد کی نظم

گڑیا

کھلونا تو نہیں ہوں میں
نہ مٹی کا کوئی بُت ہوں
کہ جب تم ہاتھ کو موڑو، نہیں ہو گی مجھے تکلیف
کہ جب تم آنکھ کو پھوڑو تو چیخیں بھی نہ نکلیں گی
بنا سوچے بنا دیکھے
میری شادی کسی گُڈے سے کر دو گے
میری مانگ میں کسی بھی نام کا سیندور بھر دو گے
سنو! یہ جان لو تم بھی
مروت چھوڑ دی میں نے
وہ گڑیا توڑ دی میں نے

عائشہ تنویر، کی ڈائری میں تحریر

جون ایلیا کی غزل

زخم امید بھر گیا کب کا
قیس تو اپنے گھر گیا کب کا

اب تو منہ اپنا مت دکھاؤ مجھے
ناصحو میں سدھر گیا کب کا

آپ اب پوچھنے کو آئے ہیں
دل مری جان مر گیا کب کا

آپ اک اور نیند لے لیجے
قافلہ کوچ کر گیا کب کا

میرا فہرست سے نکال دو نام
میں تو خود سے مکر گیا کب کا

صائمہ سحر، کی ڈائری میں تحریر

پروین شاکر کی غزل

بشریٰ محمود



ٹوٹی ہے میری نیند مگر، تم کو اس سے کیا
بجتے رہیں ہواؤں سے در، تم کو اس سے کیا

تم موج موج مثل صبا گھومتے رہو
کٹ جائیں میری سوچ کے پر، تم کو اس سے کیا

اوروں کا ہاتھ تھامو، انہیں دکھاؤ راستہ
میں بھول جاؤں اپنا ہی گھر، تم کو اس سے کیا

ابر گریز پا کو برسنے سے کیا غرض
سیپی میں بن نہ پائے گہر، تم کو اس سے کیا

لے جائیں مجھ کو مال غنیمت کے ساتھ عدو
تم نے تو ڈال دی ہے سپر، تم کو اس سے کیا

تم نے تو تھک کے دشت میں خیمے لگا لیے
تنہا کٹے کسی کا سفر، تم کو اس سے کیا

فوزیہ ثمر بٹ، کی ڈائری میں تحریر

اعتبار ساجد کی غزل

یونہی تنہا تنہا نہ خاک اڑا مری جان میرے قریب آ
میں بھی خستہ دل ہوں تری طرح میری جان میرے قریب آ

میں سمندروں کی ہوا نہیں کہ تجھے دکھائی نہ دے سکوں
کوئی بھولا بسرا خیال ہوں نہ گمان میرے قریب آ

نہ چھپا کہ زخم وفا ہے کیا تری آرزو کی کتھا ہے کیا
تری چارہ گر ہے یہ زندگی نہ جہاں میرے قریب آ

تجھے ایسے ویسوں کی دوستی نے بہت خراب و خجل کیا
کبھی جھوٹ کی یہ نقاب رخ پہ نہ تان میرے قریب آ

کرن کتاب

بیوٹی باکس

سیدھے بال

☆اسٹریٹنر کے بغیر☆

کون سی خاتون ہوگی جس کو سیدھے اور نرم لمبے بالوں کی خواہش نہ ہو، لگ بھگ کوئی بھی نہیں اور یہی وجہ ہے کہ بالوں کو سیدھا کرنے والی پروڈکٹس کی بہت زیادہ مانگ ہے تاہم ان اشیاء میں شامل کیمیکلز بالوں کی صحت کو بری طرح متاثر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ خواتین کو بال سیدھے کرنے کے لیے اسٹریٹنر (بال سیدھے کرنے والی مشین) کا استعمال کرنا پڑتا ہے لیکن اس کے باقاعدگی کے استعمال سے بال کمزور ہو جاتے ہیں اور تیزی سے گرنے لگتے ہیں۔ اس کے نکال لیں۔ اس کریمی مکسچر کو بالوں میں لگائی جائیں اور بڑے دندانوں والے ہیئر برش بالوں میں پھیرتی جائیں۔ بالوں میں تیس منٹ تک لگائے رکھیں۔ کسی بھی بے بی شیمپو سے بالوں کو دھولیں۔ اس سے بھی بالوں کا خم ختم ہوتا ہے اور بال سیدھے اور چمک دار نظر آنے لگتے ہیں۔

کیسٹر اور سویابین آئل :- کسی فرائنگ پین میں دو کھانے کے چمچ کیسٹر آئل ڈالیں، اسی میں ایک کھانے کا چمچ سویا بین آئل ڈالیں، ان دونوں کو اچھی طرح مکس کرنے



مقابلے میں بالوں کو سیدھا کردینے والے قدرتی ٹوٹکے مستقل بنیادوں پر استعمال کرنے کے لیے محفوظ اور موثر ہیں۔ تو بالوں کو سیدھا کرنے والے ایسے ہی چند قدرتی ٹوٹکوں کے بارے میں جانیے جو اس حوالے سے جادوئی اثر رکھتے ہیں اور ان کے کوئی مضر اثرات بھی نہیں ہوتے۔

کھوپرے کا تیل اور لیموں کا رس :- دو عدد لیموں کا رس نکال لیں، برابر مقدار میں کھوپرے کا تیل بھی لے لیں۔ ان دونوں چیزوں کو کسی پیالے میں ڈالیں اور اسے فریج میں کچھ گھنٹوں کے لیے رکھ دیں۔ جب یہ مکسچر گاڑھا ہو جائے تو

کے بعد گرم کریں۔ جب نیم گرم ہو جائے تو چولہے سے اتار لیں۔ جب ٹھنڈا ہو جائے تو اسے بالوں میں لگائیں۔ آٹھ سے دس منٹ تک اس کا اچھی طرح بالوں میں مساج کریں۔ تیس منٹ تیل کو بالوں میں لگا رہنے دیں۔ اس کے بعد شیمپو اور کنڈیشنر کرلیں۔ بالوں کو سکھائیں اور اس میں برش پھیریں۔ اس طرح کرنے سے بال بالکل سیدھے دکھائی دیں گے۔

انڈے اور زیتون کا تیل :- دو انڈوں کو اچھی طرح پھینٹ لیں۔ اس میں تھوڑا سا زیتون کا تیل ڈال کر مکس کریں۔ اس مکسچر کو بالوں میں اچھی طرح مساج کریں۔ ایک